امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

جانشینِ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی ایک یادگار تحریر ہدیۂ قارئین ہے۔ جو آپ کی زیرادارت شائع ہونے والے ادبی مجلہ "سہ ماہی مستقبل"، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ سے ماخوذ ہے۔ تب مولانا آزاد بقید حیات تھے۔ اس تحریر میں حضرت ابوذر بخاری مرحوم کا منفرد اسلوب اور خاص رنگ ہے جو فی الواقعہ ایک ادبی شاہکار ہے۔

(ادارہ)

ابوالکلام آزاد:۔

سروقد، دوہرا بدن، گورا گلابی رنگ، ایرانی وضع کی بڑی بڑی آنکھیں، کتابی چہرہ، سفید چھوٹی داڑھی، آواز سریلی اور بلند، لہجہ پرشکوہ اور متین، مزاج میں تمکنت اور وقار، طبیعت میں شوخی اور ظرافت، احمد نام محی الدین لقب، ابوالکلام کنیت، آزاد تخلص، تاریخی نام آپ کے والد مرحوم نے "فیروز بخت" تجویز کیا تھا۔ خاندانی وطنِ مالوف ایک مدت سے دہلی ہے انقلاب ۵۷ء کے ایک باغی گھرانے میں ہندوستان کے ایک مقتدر خانوادۂ علم و فضل کے فاروقی چشم و چراغ مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں مکہ مکرمہ کے محلہ قدوہ میں متولد ہوئے۔ چار سال تک وہیں رہے۔ بقیہ زمانۂ طفولیت حضرت والد مرحوم کے ہمراہ بسلسلۂ تجارت بلاد عربیہ میں بسر ہوا۔ وہیں پر علمی استفادہ کی ابتدا ہوئی۔ خصوصاً عراق میں صاحبِ تفسیر روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی بغدادی مرحوم کے فرزند کے پاس استفادہ کا اچھا موقع میسر آیا۔ بلحاظ روایت معتبرہ عہد شعور الازہر میں پروان چڑھا۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ مولانا نے کسی خاص درگاہ میں تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ والد مرحوم کی نگرانی میں گھر پر ہی اساتذہ علماء سے تکمیل علوم کی خود مولانا نے بھی اپنے حالات میں اس کی تصریح کی ہے واللہ اعلم تقریباً ۱۵ برس کی عمر میں ہندوستان وارد ہوئے۔ قیامِ مصر کے عہد میں سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اور ان کے افکار سے طبیعت نے کافی اثر قبول کیا۔ یہاں پہنچ کر ابتداءً ہی علوم و فنون کی بڑی بڑی ادق اور بلند پایہ کتب آپ کی مشقِ تدریس میں آئیں۔ مطول (معانی) ہدایہ اخیرین (فقہ) میر زاہد (منطق) وغیرہا کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہاں کے جن علماء سے استفادہ کیا۔ ان میں مولانا شبلی نعمانی مرحوم سرِ فہرست ہیں۔ علم و فضل خاندانی طغریٰ اور امتیاز ہے۔ تفقہ و تدبر وراثتاً پایا۔ بے پایاں قوت حافظہ و ملکہ ضبط و اتقان خلّاقِ اکبر نے بتمام و کمال ودیعت فرمایا ہے۔ مادری زبان عربی ہے۔ اردو والد مرحوم کی طرف سے مشقِ تکلم میں آئی۔ خداداد ذہانت و فطانت ان کے فکری استعلاء اور علمی تبحر کے لئے سونے پر سہاگے کا کام دے گئی۔ چنانچہ نوعمری ہی میں آپ نے ایک بلند پایہ خطیب ایک وسیع النظر مفکر کا مقام حاصل کر لیا۔ اسی ذوقِ سلیم کی بدولت ۱۹۰۸ء میں امرتسر پہنچ کر ہفت روزہ "وکیل" کے مدیر سرِ دبیر بن گئے۔ اس وقت آپ کی عمر

بمشکل سترہ اٹھارہ برس تھی۔ تھوڑے عرصہ میں ہی علم دوست طبقات میں آپ کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی۔ کچھ مدت بعد "وکیل" سے علیحدہ ہوگئے۔ اور کلکتہ پہنچ کر "الھلال" کے نام سے ایک ہفت روزہ جریدہ جاری کیا۔ "الھلال" کی تحریرات نے ہندوستانی سیاستدانوں، علماء اور ادباء کے لئے ادب وسیاست کی نئی راہیں واشگاف کردیں۔ اور ہر کہ ومہ کی زبان پر مولٰینا کی سرطرازی کے چرچے ہونے لگے۔ انہی دنوں سیاسیات ملکیہ میں بہت بڑا تغیر رونما ہوچکا تھا۔ جنگ عظیم کے دوررس اثرات نے عالمِ اسلامی کے بعد سب سے زیادہ ہندوستانی مسلمانوں کو متاثر کیا۔ کیونکہ سامراجی ڈپلومیسی اور فرنگی حیلہ کاریوں کا پردۂ فریب جنگ عظیم کے مظالم نے چاک کردیا تھا۔ جس میں کہ الجزائر سے البانیہ تک تمام مسلم ریاستوں کو ایک ایک کر کے برطانیہ اور فرانس ہتھیا چکے تھے۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان تمام ممالک کو اولاً خلافت عثمانیہ سے برگشتہ اور ان کے خلاف مشتعل کیا گیا۔ اور پھر بغاوت کرا کے معاہدات کی آڑ میں انہیں اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا گیا۔ ہندوستان میں اس کے ردِ عمل کے طور پر انگریز دشمنی کے آثار پیدا ہوگئے۔ جس کے پس منظر میں مولٰینا کی ذات کامل انہماک سے مصروف جہد وسعی تھی۔ ان کی آتشیں نواؤں نے صدائے رعد آسا کی گرج پیدا کرلی اور جذبات عوام پر بجلی کے کوندے کی طرح برس گئیں۔ ان کی تحریرات وتقاریر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ علماء وعوام میں انتہائی جوش واشتعال پیدا ہوگیا۔ اور تحریک عدم موالات انتہاء شدت کو پہنچ گئی۔ مولٰینا کا فکر وعمل اپنے مخصوص نہج کے لحاظ سے پہلا انقلابی قدم تھا۔ جس نے عوام و خواص کو چونکا دیا۔ علماء مجاہدین کی قیادت میں ان کا نامِ نامی سرِ فہرست تھا۔ چنانچہ اس نوخیزی کے عالم میں ہی امام الھند کا خراج وصول کیا۔ ان کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو کب تک برداشت کیا جاتا۔ بالآخر حکومت کی معین پالیسی حرکت میں آئی اور مولٰینا جرم اداء فرض کی پاداش میں جس کی بدولت آتشکدہ غلام آباد ہند گلشن شاداب حریت واستقلال سے تبدیل ہورہا تھا گرفتار کر کے دو سال کے لئے رانچی (بہار) میں نظر بند کردیئے گئے۔ اپنے فکر جلی اور ذوق رفیع کی بدولت مولٰینا نے مجلس کی ویران خلوتوں کو بھی رشک صد انجمن بنا ڈالا یہیں یہ تفسیر ترجمان القرآن کے حواشئ ضروریہ۔ اصلاحات ترجمہ۔ ابحاث تاریخیہ کا ایک ضخیم دفتر تصنیف فرمایا۔ یہ خدمت جلیلہ علومِ دینیہ میں ایک گراں بہا اضافہ تھا جو لوگ تذکرہ اور الھلال پڑھ چکے تھے۔ ان کی طبائع و افکار کو اور بھی جلاء حاصل ہوئی۔ تشنگانِ علم نے اس چشمہ معرفت و تحقیق سے سیرابی حاصل کی اور ایک بڑے حلقہ نے فکر و نظر کے میدان میں تعمیری اجتہاد کے طور پر قدم بڑھانے شروع کئے۔ فیاضِ اکبر نے قرآن و حدیث کا وہ درک عطاء فرمایا ہے۔ کہ شام و مصر کے اہل فکر علماء جدید بھی آپ کے استدلال کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اختتام جنگ پر مولٰینا کو رہا کردیا گیا۔ اتنی مدت الھلال بند رہا تھا۔ اسے دوبارہ جاری کر کے حسب سابق خدمت ملک وملت میں مصروف ہوگئے۔ اور تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لینا شروع کردیا۔ اپنے پیغام کو زیادہ وضاحت کے ساتھ نشر کیا۔ ملک کے کونے کونے میں کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ جن میں مولٰینا نے اتحاد ویک جہتی کی تبلیغ و تلقین کی۔ اس وقت الھلال کی تحریات نے پھر اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ حتیٰ کہ امیر الملت حضرت شیخ الھند قدس سرہ نے بھی ایک دفعہ حد درجہ متاثر ہو کر فرمایا تھا کہ "جس سبق کو ہم مدتوں سے بھلا چکے تھے الھلال نے ہمیں

دوبارہ یاد دلا دیا ہے۔" مولانا نہایت عزم و استقلال کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ کئی مسلم رہنما بعض امور میں اختلاف کی بناء پر کانگریس سے علیحدہ بھی ہوگئے۔ لیکن مولانا جس مقام کو کچھ مدت قبل اپنے لئے منتخب کر چکے تھے۔ اس سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ اسی پلیٹ فارم سے مسلسل اپنا پیغام سناتے رہے۔ اور دعوت جہاد سے مسلمانوں کے دل گرماتے رہے اور اسی عرصہ میں یکے بعد دیگرے مقاطعہ سائمن کمیشن۔ تحریک نمک سازی وغیرہا تحریکات میں فرنگی ظلم و استبداد کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ۱۶ء، ۲۱ء، ۳۱ء، ۳۲ء، ۴۰ء، ۴۳ء میں پے در پے جیل گئے۔ اور مختصر زندگی میں دس برس سات ماہ قید کاٹی۔ گویا زندگی کے ہر سات دن میں ایک دن قید خانہ کے اندر گزارا۔ لیکن بڑی سے بڑی مشکل اور کٹھن سے کٹھن ابتلاء بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا کر سکا۔ تحریک خلافت کے انحطاط کے بعد طرز عمل کے اختلاف اور دیگر وجوہ کی بنا پر بہت سے مسلم زعما کانگریس سے علیحدہ ہوگئے۔ خصوصاً پنجاب خلافت کمیٹی کے ارکان نے جب کانگریس سے استعفاء دے دیئے تو تعاون و اشتراک کا وہ سہارا جو مسلم زعماء کے وجود سے کانگریس کے اقتدار کے لئے بہت بڑی پشت پناہ بن گیا تھا ختم ہو گیا۔ بالاخر ۲۹ء میں کانگریس کیمپ منعقدہ لاہور کے اختتام پر مولانا نے خود ہی ایک نئی جماعت کی تشکیل کی ضرورت محسوس کرائی جو کہ مستقل طور پر مسلمانانِ ہند کے حقوق کی حفاظت و نگہداشت کے لئے بوقت ضرورت فرنگی سامراج سے نبرد آزما ہوسکے۔ چنانچہ صوبہ خلافت کمیٹی کے ممتاز ترین ارکان حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ شیخ حسام الدین مولانا مظہر علی اظہر وغیرہم حضرات سے مشاورت کے دوران میں فرمایا کہ "میرے بھائی آخر ہمارے لئے بھی تو ایک ایسا گوشہ ہونا چاہیئے جہاں بیٹھ کر ہم اپنے لئے بھی کچھ سوچ سکیں۔"

چنانچہ وہ گوشہ "مجلس احرار اسلام" کی تشکیل کی صورت میں معین و واضح ہو کر سیاسیات ہند میں نمودار ہوا اور اپنی طوفانی تاریخ سے تاریخ سیاسیات ملک میں ایک قابل قدر وسیع اور مستقل باب کا شاندار اضافہ کر گیا۔ تو گویا مولانا مجلس احرار اسلام کے بانی اور سنگ بنیاد رکھنے والوں میں سے ہیں۔ اور آج بھی وہ شجر جس کی آبیاری ان کے ہاتھوں سے ہوئی تھی ہزار خزاں نصیبیوں کے باوجود اپنے خلوص کی تازگی اور ایثار کی پختگی کے سہارے قائم ہے۔ دعاء ہے کہ خدا اسے پھلتا پھولتا رکھے آمین ثم آمین۔

ہوش سنبھالتے ہی مولانا مسلم لیگ کی سیاست کے نشیب و فراز کو سمجھ گئے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں مسٹر زاہد سہروردی کے مکان واقع کلکتہ میں جب مولانا سے ایک تجویز پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو آپ نے اس پر بھی یہی لکھا تھا کہ "سب باتیں منظور ہیں باستثناء شرکت مسلم لیگ" گویا آج سے ۴۱ برس پہلے بھی وہ مسلم لیگ کی رجعت آمیز پالیسی سے اتنا ہی بیزار تھے۔ جتنے کہ آج کل اس سے شاکی ہیں۔ ادارۂ وکیل کے زمانہ میں انہوں نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ "ایک وقت آئے گا کہ سارا ہندوستان میری مٹھی میں ہوگا۔" آج اگرچہ سیاسیات ملک کا نقشہ بدل چکا ہے اور آزادی کا وہ تصور جو تین برس قبل تک ہندوستان کے عوامی ذہن میں راسخ و مرتسم تھا۔ حسب مراد معرض ظہور میں نہیں آسکا تاہم ایسی صورت ضرور پیدا ہو چکی ہے۔ کہ اس وقت ہندوستان کے پونے پانچ کروڑ مسلمان مولانا کے وضع کردہ سیاسی نہج پر گامزن ہونے کے بغیر اپنے لئے کوئی چارہ کار موجود نہیں پاتے۔ اور اگر

جمعیت علما ہند اور مولٰینا کی ذات اس دور میں وہاں نہ موجود ہوتی تو یقیناً یہ عظیم جمعیت بھی اپنی دائمی موت مر چکی ہوتی۔ لیکن بحمد اللہ کہ وہ ہزار ابتلاء و تشدد کے باوجود ان بزرگوں کی سیاست و فراست ہمت و شجاعت۔ قیادت و زعامت کے سہارے پھر ایک خوش آئند مستقبل کی طرف رواں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ تادیر سلامت رکھے تاکہ وہ آئندہ مصائب میں بھی مسلمانوں کی صحیح راہبری فرما کر حقِ قیادت اداء کر سکیں۔ اور مسلمان خوشحالی و ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ آمین ثم آمین۔ مولٰینا اپنی سیاسی زندگی میں دو تین دفعہ کانگریس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ اور لطف یہ کہ وہی لوگ جو اپنی فطری کج روی کے باعث خلوت و جلوت میں مولٰینا پر فرقہ پرست ہونے کا طعن توڑا کرتے تھے۔ جب انتخاب کا موقعہ آتا تو شدید اختلاف کے باوجود صدارت کی اہلیت و صلاحیت کا مظہرِ اتم مولٰینا ہی کو قرار دیتے۔ اور مولٰینا صدر منتخب ہو جاتے۔

والفضل ماشهدت به الاعداء

چنانچہ ۱۹۴۰ء میں بھی آپ مسٹر ایم۔ این رائے اشتراکی لیڈر کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے صدر منتخب ہوئے۔ اور آپ کی اسی صدارت کے عہد میں ہی ہندوستان نعمت حریت و استقلال سے بہرہ یاب ہوا۔ سرکاری مشن کی آمد پر گاندھی جی پنڈت نہرو کے علاوہ کانگریس کی طرف سے اور ہندوستان بھر کی تمام آزادی خواہ مسلم جماعتوں کی نمائندگی کے طور پر بھی آپ نے وفد کے ارکان سے کئی ملاقاتیں کیں۔ اور مسلمان جماعتوں کا مجوزہ فارمولا پیش کیا اور اپنے تدبر و تفکر سے برطانوی شاطروں کے تمام سیاسی ہتھکنڈوں کو بیکار کر کے رکھ دیا۔ پنڈت نہرو نے اپنے ایک راز دار دوست سے کہا تھا۔ کہ "جب مولٰینا ابوالکلام اور سر کرپس کی گفتگو کا میں ترجمہ کر رہا تھا تو مجھے حیرت ہوتی تھی کہ مولٰینا سوالات کے ذریعہ ایسی گرفت کرتے تھے کہ سر کرپس کچھ دیر جواب سوچتے رہ جاتے۔" محترم المقام شیخ حسام الدین قبلہ کی روایت کے مطابق جب ارکانِ وفد لندن واپس ہونے لگے تو ان کے مجموعہ تاثرات کرپس کی زبانی یہ تھے۔ کہ "ہم نے آج تک اس قدر زیرک اللسان نہیں دیکھا جس کے استدلال کے سامنے ہماری تمام تاویلات بیکار ہو کر رہ گئی ہوں۔" اور حقیقت بھی یہی ہے۔ مولٰینا کی عظمت تفکر اور زور استدلال کا مقام وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور الفاظ کی نبضیں چھوٹنے لگتی ہیں۔ جو فارمولا مولٰینا نے پیش کیا تھا۔ وہ خود آپ کی فکری کاوش کا نتیجہ تھا۔ اگر مسلم اکثریت کے مخالف لیڈر سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے ماتحت اسے مسترد نہ کر دیتے تو اس سے بہتر حل کوئی نہیں تھا۔ لیکن افسوس کہ مسلمان عوام کو اس کی مفادیت و جامعیت سے پروپیگنڈے کے زور سے بے خبر رکھا گیا اور نتیجۃً غلط سیاست درجہ صحت میں شمار ہو کر آئندہ کا مستقل سہارا بن گئی۔ اور آج اس کے مضار و عواقب ایک ایک کر کے خدشوں سے واقعات کی شکل اختیار کرتے ہوئے اپنا اثر دکھلا رہے ہیں۔ لیکن اب اس کا مرثیہ بے سود ہے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ ہی کے زیر صدارت کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں کئی ایک ہنگامی اور انقلابی تجاویز طے کی گئیں۔ اور سول نافرمانی کا ریزولیوشن متفق طور پر منظور کر لیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں قتل و غارت، ساڑ پھونک کی پالیسی پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اور مختلف مقامات پر کئی انگریز افسر بھی قتل کر دیئے گئے۔ بہار میں متوازی حکومت بھی قائم کر دی گئی۔ لیکن

لیڈر شپ کے فقدان اور وسائل کی قلت نے وہ تحریک ختم کر دی حکومت اس وقت جنگ کے خطرات میں گھری ہوئی تھی۔ اس نے ان تجاویز کو اولاً ہی خطرناک سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ اجلاس ختم ہوتے ہی کانگریس ہائی کمانڈ کو گرفتار کر کے مختلف جیلوں میں غیر معین وقت کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ مولٰینا آزاد، پنڈت نہرو مسٹر آصف علی وغیر ہم قلعہ احمد نگر میں بھیج دیئے گئے۔ ۹ اگست ۴۲ء سے ۱۰ جون ۴۵ء تک تین برس کا زمانہ اسارت آپ نے جس صبر و ضبط استقامت و استقلال سے گزارا ہے۔ وہ یادگار رہے گا۔ دوسرے ساتھیوں سمیت آپ پر بھی تمام معاملات میں سخت نگرانی رکھی جاتی تھی خصوصاً خط و کتابت میں وقت تھی۔ مولٰینا ابھی باہر تھے تو اہلیہ محترمہ کی طبیعت ناساز تھی۔ جیل میں گئے تو بگاڑ زیادہ ہو گیا۔ کئی دفعہ کوشش کی گئی کہ مولٰینا کو علاج معالجہ اور ملاقات کے لئے کچھ دیر تک ضمانت پر رہا کر دیا جائے لیکن خود مولٰینا نے اس تجویز کو قبول نہ فرمایا۔ اور حکومت سے کسی قسم کی مراعات لینے کے عوض اپنی روائتی خودداری اور تمکنت کو برقرار رکھتے ہوئے تمام آزمائشوں کا سختی سے مقابلہ کیا۔ بالآخر ۹ اپریل کو رفیقہ حیات ایک طویل بیماری کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اور ظاہر حال میں ان کی طبیعت کا ایک فطرتی سہارا بھی ڈھے گیا۔ گہرا اثر مولٰینا کی صحت پر پڑا۔ لیکن انہوں نے اپنے مشاغل میں قطعاً کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ افسوسناک حادثہ یہ ہے کہ مولٰینا کی اہلیہ کے جنازہ پر بھی ہماری قوم کے اخلاق باختہ لوگوں نے اپنی خساست کا اظہار کئے بغیر دم نہ لیا اور وہ مرحومہ جس کے اخلاق و سیرت بلند کرداری کے متعلق کوئی گوشہ بھی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ اور جسے مردانہ جلسہ یا کانفرنس تو درکنار کسی زنانہ محفل میں بھی کسی عورت یا مرد نے بے تکلف شرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس بے قصور ماں کو موت کے بعد بھی روحانی کوفت پہنچانے سے گریز نہیں کیا گیا۔ سوائے چند اعزہ و اقارب یا مولٰینا کے کچھ معتقدین کے ان کا جنازہ بھی کسی نے نہیں پڑھا اور اسی پر بس نہیں جنازہ گاہ کے اردگرد باقاعدہ پکٹنگ لگا دی گئی۔ اور شرکت کے ارادہ سے آنے والوں کو جبراً روکا جاتا تھا۔ کہ یہ غدار کی بیوی کا جنازہ ہے۔ اس کی دعا میں مت حصہ دار بنو۔ لیکن دل کے اندھوں کو یہ خبر نہ تھی کہ کبھی کبھی ایک معمولی واقعہ اجتماعی ہلاکت و خسران کا باعث بھی بن جایا کرتا ہے۔ اور شخصی و انفرادی انتقام قومی عذاب، کی شکل میں بھی نمودار ہو جایا کرتا ہے۔ آہ پھر وہی بنگال و پنجاب ہے جس کی سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بہو بیٹیاں خدائی گرفت میں آ گئیں۔ اور ابوالکلام کی تو ایک بیوی ہی بے جنازہ رہی لیکن یہاں قوم کی قوم کے مجد و شرف کا لاشہ ہی بے گور و کفن اور بدوں جنازہ زبوں و خوار ہوتا رہا۔ جیل میں آپ نے تیس کے قریب خطوط تحریر کئے۔ دیکھنے میں تو وہ مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے لیکن اپنی معنویت کے لحاظ سے فسانۂ عبرت و بصیرت اور حکایت تذکیر و موعظت کا ایک ضخیم دفتر ہے۔ یہ مجموعہ ہندوستان کے موجودہ ادب کے ذخیرہ میں سر فہرست شمار ہوا ہے۔ اور بقول حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کہ "اگر مجھے ہندوستان کے کتب خانوں میں سے کسی ایسی کتاب کے انتخاب کے لیے کہا جائے جو اردو ادب و شعر کی کسوٹی اور فصاحت و بلاغت کے زر کامل عیاں کا درجہ رکھتی ہو تو میں بغیر کھٹکے کے تمام کتابوں میں سے صرف ایک "غبار خاطر" (مجموعہ مکاتیب) کو نکال کر رکھوں گا کہ بقیہ تمام دفاتر کو الماریوں میں بند کر دو۔ کیونکہ ذوق سلیم کی تشنگی

مٹانے کے لئے اردو ادب میں اس وقت اس سے بہتر اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حالانکہ ابھی وہ محض خطوط ہیں۔ اور اگر کہیں مولٰینا اسے ایک تصنیف کے طور پر لکھتے تو نہ جانے اس کی کیا قدر و عظمت ہوتی۔" مولٰینا عصر حاضر کے ایک بلند پایہ محقق، الوالعزم خطیب۔ عالی مرتبہ مفکر و مجتہد۔ ادیب و انشاء پرداز اور صحافی ہیں۔ دنیا کی چیدہ چیدہ زبانوں پر انہیں عبور حاصل ہے۔ عربی ان کی مادری زبان ہے۔ فارسی ان کی لونڈی ہے۔ اور اردو انہی کے ادب و انشاء عالی کی پروردہ۔ ترکی پر اچھی دسترس حاصل ہے۔ انگریزی خوب جانتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ پڑھتے ہیں۔ بولتے نہیں یہ شرف صرف دو ہی کو حاصل ہے۔ کہ وہ ابوالکلام کی بھی زبان ہے۔ مولٰینا کی علم نوازی ان کے فقید المثال کتب خانہ کو دیکھ کر ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔ دنیا کے کسی علم کے کسی موضوع سے متعلق کسی زبان کی کوئی کتاب کسی مذہب کی کوئی تحقیق ایسی نہیں ہے جو آپ کو وہاں نہ ملے۔ چنانچہ آپ کی بلند پایہ علمی شخصیت کو خراج پیش کرتے ہوئے ۲ فروری ۴۹ء کو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی طرف سے "ڈاکٹر آف تھیالوجی" کی اعزازی سند پیش کی گئی ہے۔ اس تقریب میں تمہیدی طور پر یونیورسٹی کے موجودہ چانسلر سابق شیخ الجامعہ (دہلی) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے جو تقریر فرمائی ہے ہم ذیل میں اسے من و عن نقل کرتے ہیں پڑھئے اور اس شمع محفل علم و ادب کے پروانوں کے اظہار عقیدت پر سر دھنئے تقریر کے مخاطب بپرو چانسلر نواب رامپور تھے۔"

"جناب محترم"۔ خدمت عالیہ میں حضرت امام الہند مولٰینا ابوالکلام آزاد کو پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ علم، ادب، سیاست، دین سب میدانوں میں فکر اور عمل کا کوئی گوشہ نہیں جو اس ذات گرامی کا احسان مند نہ ہو۔

یک چراغیست درایں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجای نگر ہی انجمنے ساختہ اند،

اردو زبان کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ آپ کے قلم سے لکھی اور آپ کی زبان سے بولی گئی۔ آپ نے ایک نئے طرز نگارش کی بنیاد رکھی۔ ایک پر تاثیر اور ولولہ خیز طرز بیان ایجاد کی جس میں عربی کا "کس"۔ فارسی کا رس اور ہندوستانی کا لوچ ایک جا ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس موثر آلہ سے فکر کے نکھار اور عمل کے سدھار کا کام لیا ہے۔ اس سے سوتوں کو جگایا ہے۔ غفلت کے ماتوں کو ہوشیار کیا ہے۔ بے عملوں کو راہ عمل دکھائی ہے الہلال اور البلاغ کے ذریعہ ملک اور خصوصاً مسلمانوں کے اندر عام ذہنی بیداری اور رجعت پسندی سے بیزاری پیدا کرنے میں ایک عہد آفریں خدمت انجام دی ہے۔ انہیں للکارا بھی ہے۔ اور ان میں حوصلہ اور ولولہ بھی پیدا کیا ہے۔ خود ہمارے تعلیمی کاموں کی تنگیوں پر جو مخلصانہ تنقیدیں ان رسائل میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کو علی گڑھ ہمیشہ احسان مندی کے ساتھ یاد رکھے گا۔ پھر خود نوشتہ سوانح حیات کی صف میں مولٰینا کی کتاب "تذکرہ" ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اس میں علمی خاندان۔ مشائخ کے مسالک اور سیاسی تحریکوں پر تنقید و تبصرہ کے عجیب دلنشین نمونے خود مولٰینا کی شخصیت کے بوقلموں مرقعے ملتے ہیں۔ یہ دلکش اسلوب "غبار خاطر" میں اور بھی نکھر گیا ہے۔ حسن ذوق، بلندی فکر، جرات اخلاق، اور قوت ایمان، فلسفیانہ بصیرت اور سیاسی نظر کے اس گلدستہ میں ایک ایسی جامع متوازن اور ہم آہنگ شخصیت کا پھول سامنے آتا ہے۔ جس کی ایک ایک پنکھڑی ہمارے قومی چمن کا سرمایہ رونق ہے۔ "علم و

ادب" کی یہ گراں قدر خدمات ایک ایسی ذات گرامی نے انجام دی ہیں۔ جسے عمل کے طالبوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ قید فرنگ میں گزارنے پر مجبور کیا۔ جس نے ملک کی آزادی کے جہاد میں سیاسی افسر اور سپہ سالار کے فرائض انجام دیئے۔ جس کے کارناموں کا نقش ہماری سیاسی تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ثبت رہیگا۔ اصابت رائے۔ ثبات قدم اور سعی پیہم کی ایسی مثالیں ہماری قومی تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ سیاست کی فی الجملہ انتشاری نفسا نفسی میں آپ کی عارفانہ یکسوئی اور آپ کے کریمانہ اخلاق نے اس زندگی کے معیارات کو بلند کر دیا ہے۔ پھر اپنی تصنیف اپنی خطابت، اپنی سیاست، اپنی زندگی سب سے موصوف نے ذہنی اور عملی دونوں میدانوں میں دینی احساس کا دامن تنگ دلی اور تنگ نظری سے چھڑا کر دین کے تصور کی پوری وسعتوں کو آشنا فرمایا۔ بتایا بھی اور دکھایا بھی کہ دین ساری زندگی کا جامع ہے۔ اس کے بظاہر بے جوڑ ٹکڑوں میں ربط پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے بے معنی سے اجزاء کے ایک بامعنی کل بنانے کی راہ کھولتا ہے۔ اور اس کے آنی (وقتی) مظاہر کو دوام سے آشنا کر دیتا ہے۔ "ترجمان القرآن" کی مہتم بالشان تصنیف سے۔ جو علمی تبحر، حسن بیان اور خلوص فکر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ مولانا نے دین کی ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ اور یونیورسٹی مولانا کی خدمت میں "دکتور فی اصول الدین" (علامہ اصول مذاہب) کی اعزازی سند پیش کر کے اپنی عزت بڑھا رہی ہے۔

ترے جواہرِ طرف کُلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

یہ مختصر تقریر بجائے خود ایک جامع مقالہ ہے۔ جس میں مندرجہ بالا احوال و اوصاف کا اجمالی خاکہ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ یہ تعریف و توصیف ممدوح کی رفعت شان کے قامت پر ہی چسپاں ہو سکتی ہے۔ ورنہ ان صفات کے حاملین تو اس زمانہ میں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

مولانا جوانی میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ لیکن ایک مدت سے یہ مشغلہ ترک کر چکے ہیں۔ اور ویسے ان کی نثر ہی کیا کم ہے۔ حسرت موہانی نے جبھی تو کہا تھا۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا

تقریر و تحریر کے خود مختار بادشاہ ہیں اور ان کی تقریر و تحریر کی عظمت ان کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ ظرافت اور بذلہ سنجی میں اس بڑھاپے میں بھی زندہ دل نوجوانوں سے زیادہ رنگین طبیعت رکھتے ہیں۔ اخلاق کی نفاست و پاکیزگی میں اپنی مثال آپ ہیں حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے ہیں۔ کہ "اگر ابوالکلام جیسے عالی مزاج اور بلند اخلاق انسان کی جوتیوں میں بھی مجھے بیٹھنے کا موقع ملے تو میں اس پر بھی فخر کروں گا۔ کیونکہ ایسے بلند فطرت آدمی کی مجلس میں ہر اناپ شناپ کا بیٹھنا محال ہے۔"

شاہین کی بلندی پرواز۔ عقاب کی نظر۔ شیر کا دل۔ چیتے کا تجسس۔ چٹانوں کا تحمل اور استقامت و وقار و خودداری اور غیرت و حمیت ان کے خاص جوہر ہیں۔ ان کے اقوال سیاسی پیشینگوئیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں

جب مولٰینا کشمیر تشریف لے گئے تو اتفاقاً شاہ صاحب بھی اس سال وہیں تھے۔ قاضی احسان احمد اور جانباز مرزا شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے گئے تو معلوم ہوا کہ مولٰینا گلمرگ میں قیام پذیر ہیں۔ دونوں ساتھی شاہ صاحب سے اجازت لے کر گلمرگ پہنچے۔ ان دنوں مولٰینا کی صحت بہت گر چکی تھی۔ ملاقات کے لئے وقت کم ہی دیتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب اور جانباز مرزا کا علم ہوا تو فوراً ملاقات کے کمرہ میں تشریف لے آئے۔ قاضی صاحب نے مزاج پرسی کی اور غرض آمد بتائی تو بہت مسرور ہوئے۔ ان دنوں انتخابات کی تیاریاں شروع تھیں۔ ۴۲ء کی کانگریس تحریک کو فوجی طاقت کے بل بوتے پر کچلی جا چکی تھی۔ لیکن اس کا ہنگامی اشتعال دائمی جوش و خروش کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ سیاسیات ملک کی بحرانی حالت اور حکومت کی گومگو کی پالیسی کسی صحیح نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر کئے ہوئے تھی دوران گفتگو میں اچانک قاضی صاحب نے سوال کر دیا۔ ''کہ حضرت اس شور و شر کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا تو دکھائی نہیں دیتا اب فرمائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔'' تو فوراً ان کی عقابی آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔ اور فرمایا کہ ''آپ نے یہ کیسے باور کر لیا میرے بھائی۔''! ''میں تو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کہ انگریز نہ جاتے ہوئے بھی یہاں سے بستر بوریا باندھ کر جا رہا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کے لئے اب کوئی موجود نہیں ہے۔ جو اس کی گاڑی کو کھینچتا رہے۔ آپ یقین کریں نہ کریں لیکن وہ بہر حال جا رہا ہے۔'' چنانچہ انتخابات کے بعد دن بدن برطانوی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہونی شروع ہوئی۔ اور انگریز نے طوعاً و کرہاً ۴۷ء میں ہندوستان چھوڑ دیا اور کانگریس کا INDIA CUET والا نعرہ جو اس نے امام الہند کی قیادت میں ۴۲ء کو لگایا تھا پانچ برس کے بعد ایک فاتحانہ گرج کی طرح راس کماری کے ساحل سے لے کر ہمالہ کی چوٹیوں تک گونج اٹھا۔ اور عالم یاس کا ایک خیال دنیائے امید میں ایک یقین محکم بن کر نمودار ہوا۔

مولٰینا کو خلوت سے انتہائی انس ہے۔ تنہائی اور کتاب یہ ان کی دو محبوب چیزیں ہیں۔

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

کی صحیح تصویر دیکھنی ہو تو مولٰینا کی خلوتوں کا نظارہ کر لیجیئے۔ ان کے ذوق کے مطابق کوئی کتاب انہیں میسر آ جائے تو خواہ وہ جیل میں ہی کیوں نہ ہوں وہ زندان کی ویرانیوں کو بھی اپنے صد انجمن بدامن وجود سے چمن کی آزاد فضاؤں سے تبدیل کر لیں گے۔ اور اگر آپ انہیں ہنگامہائے زندگی کی ہماہمی میں ان کی طبیعت کے بہاؤ کے خلاف ان کی افتاد کے منافی مہمات امور میں بھی انہیں مشغول کرنا چاہیں اور ان کی دلجمعی اور سکوں پذیری کے منتظر رہیں۔ تو یقیناً آپ کو سخت ناکامی اور مایوسی کا سامنا ہو گا۔ اور ان کا باوقار چہرہ اندرونی اضطراب کی غمازی کرتے ہوئے آپ کو کچھ اس طرح بولتا نظر آئے گا۔ کہ ''میرے بھائی آپ میری زندگی میں جس قسم کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ وہ سراسر میری فطرت کے خلاف ہے۔ میں نے جس نہج (زندگی) کو اپنا شعار بنا لیا ہے اسے ترک کرنا میرے استقلال و یک جہتی پر گھناؤنا دھبہ ہے۔''

مولٰینا بے حد مہمان نواز ہیں۔ اکرام ضیف ان کا خاندانی وطیرہ ہے۔ آپ جائیے اور بتا دیجئے کہ میں آپ سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں اولاً آپ کا شکریہ ادا کریں گے۔ ''میرے بھائی اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور

کوئی کام ہو تو کہئیے۔ آپ کو میرے ہاں ہی ٹھہرنا ہو گا۔ جبکہ آپ صرف میرے لئے آئے ہیں۔" غرضیکہ اخلاق کریمانہ کا مجسمہ ہیں اگر چہ ان کا ظاہری طمطراق چند گھڑیوں کے لئے اچانک آنے والے پر غلبہ پا لیتا ہے۔ لیکن ان کا حسن سلوک۔ خندہ روئی۔ دل نواز تکلم وغیرہ تمام امور کچھ دیر بعد سب حجابات اٹھا کر ان کی محبوبیت کے جملہ پہلو نمایاں کر دیتے ہیں۔ ان کی تحریرات ایک ابدی پیغام کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن کے دلنواز مطالب روح پرور معانی سدا بہار پھول کی طرح شگفتہ و شاداب ہیں۔ اردو میں اقدار الہامیہ پر انسانی ادب کا سنگ بنیاد رکھنے والوں میں ان کا مقام ایک اہل نظر مجتہد کا سا ہے۔ ابوالکلام کا نام سنتے ہی قارئین کی ذہنی فضا پر وقار و تمکنت کا سایہ محیط ہو جاتا ہے۔ لسانی اعتبار سے ان کے اقوال سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی فطری استعداد اور اپنے وہبی تبحر کی بنا پر عربی اور فارسی کی سینکڑوں ہزاروں اصطلاحات و تراکیب کو نہایت ہی جمیل و متین انداز میں اردو کا قالب بخشا ہے۔ جس سے اردو کے تمام نوخیز ادباء نے حسب ظرف اپنی اپنی جھولیاں بھری ہیں۔ جدید اہل قلم میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مولٰینا کے طرز نگارش سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ اور جن کی انفرادیت مولٰینا کے تتبع میں بری طرح الجھ کے نہ رہ گئی ہو۔ اس لئے چند معدود اشخاص ہی ایسے نکلیں گے۔ جو محض نظر و فکر کے ساتھ وابستگی اختیار کر کے اپنی تحریری یگانگت برقرار رکھ سکے ہوں۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ ہیں "مولٰینا الفاظ اور فقرات کو الوہیت و نبوت کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اور سامع یا قاری کا ذہن اور دماغ پرورش کی بجائے پرستش کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔" حقیقت بھی یہی ہے کہ مولٰینا کی تحریر و تقریر کا ہر جملہ زبان حال سے اپنی عظمت و موزونیت مقام۔ اور توافق باقتضاء حال کا اعلان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ اگر اس میں سے ایک جزء بھی نکال دیا جائے تو تمام تحریر و تقریر اکارت ہو کر رہ جائے گی۔ سیاسیات کی پیچیدگیاں اور معاملات ملکیہ کی الجھنیں اگر مولٰینا کو دامنگیر نہ ہوتیں تو ان کے قلم سے اردو ادب کے لئے ایک بیش بہا ذخیرہ مہیا ہو جاتا۔ لیکن افسوس ان کا یہ شغل اپنی اٹھتی ہوئی رفتار کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اور آج ترجمان القرآن دو جلد تذکرہ۔ مجموعہ مضامین الہلال و البلاغ۔ غبار خاطر"۔ جیسی غیر مکمل تصانیف کے سوا ہم ان سے اور کچھ حاصل نہ کر سکے۔

اگر مولٰینا حسب سابق صحافت سے ہی متعلق رہتے تو جب بھی ایک ناقابل تردید معیاری۔ مستند لٹریچر فراہم ہو جاتا۔ لیکن وہ سلسلہ بھی پہلے تو الہلال کی ۱۹۱۴ء میں بندش پر مضمحل ہوا۔ جسے ۱۵ء میں البلاغ کے نام سے انہوں نے دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی لیکن قید و بند نے پھر رکاوٹ پیدا کر دی اور بالآخر ۲۶ھ میں الہلال نے آخری جھلک دکھائی اور دو سال تک افق صحافت پر جلوہ گری کے بعد ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ مولٰینا نے ہر کٹھن وقت میں مسلمانان ہند کی رہنمائی کی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے نہ تو قوم نے ان کے پیغام کی روح کو سمجھنا گوارا کیا اور نہ ہی مولٰینا اپنے بلند مقام سے اتر کر اپنے کو عوامیات میں جذب کر سکے نتیجتہً آج قوم کی اکثریت موجودہ قیادت و سیاست کے دوش بدوش مولٰینا کی رہنمائی سے بمراحل دور ہو چکی ہے۔ تقسیم کے بعد سے مولٰینا آزاد ہندوستان کی وزارت معارف کے عہدہ پر متمکن ہیں۔ اور ان دنوں بقول شاہ صاحب موجودہ صدی کی یہ دوسری مافوق الفطرت

شخصیت (علامہ سید انور شاہ رحمتہ اللہ و مولینا آزاد) اپنی جہد و سعی کے خونیں ثمرات پر تفکرات میں ڈوبی ہوئی نگاہوں کے تحیر سے کتاب زندگی کا ایک نیا باب لکھ رہی ہے۔ یوں تو ہمیں اب بھی توقع ہے کہ وہ اپنے فکر آتشیں اور جذب سیمابی کی بدولت اپنی آباد خلوتوں کو جولانگہ تگ و تاز رہوار قلم بنائے رکھتے ہوں گے اور ہنگامہ ہائے تحریر کی سرگرمیاں حسب سابق انہیں تحقیق و تجزیہ کی وادیوں میں مصروف تفرج کئے ہوئے ہوں گی۔ ہماری دعا بھی یہی ہے کہ وہ کم از کم ترجمان القرآن جیسی کتاب کو ضرور پایہ تکمیل تک پہنچا دیں۔ یہ عمل آئندہ نسلوں پر احسان ہوگا۔ لیکن بظاہر حال دیگر ہنگامہ ہائے زندگی کی طرح ان کے ہنگامہ ہائے تقریر و تحریر بھی سکون و استراحت کی آغوش میں جاسوئے ہیں۔ اور آج تریسٹھ برس کا یہ انقلابی مفکر اپنی بوڑھی ہڈیوں کے سہارے کجکلاہوں کے تبختر سے تمسخر کرنے والی قوم کے مداوات غم میں مصروف ہے اور ملت کی دائمی واژگونی بخت پر نوحہ خواں و ماتم کناں جس کے انتظار میں آج بھی ان طولیا کے بادامی آنکھوں والے رعنا ترکی نوجوان آنکھیں فرش راہ کئے ہوئے ہیں۔ لیکن ہند کی امت مرحومہ کے ستاروں پہ کمند ڈالنے والے سحر زدہ سیاست افرنگ فرزند اس سراپائے ایثار و استقلال پر شوبوائے اور امام الهنود کے طعن کس کر اپنے قومی عز و وقار اور ملی مجد و شرف کا تمسخر اڑا رہے ہیں اور اس کا عقود سماحت پھر بھی اپنی پہنائیوں اور رویوں کا یوں اظہار کر رہا ہے کہ.......... میرے.......... بھائی موسمی ہوائیں ہیں جو گزر جائیں گی اور عنقریب حقیقت آشکار ہو جائے گی۔

"فسوف تری اذانکشف الغبار
افرس تحت رجلک ام حمار
جوہر طینت آدم زخمیر و گرست
تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری۔"

مولینا سے میری پہلی ملاقات اجلاس جمیعت العلماء ہند منعقدہ لاہور کے موقعہ پر ۱۹۴۰ء میں ہوئی تھی۔ اور وہ بھی سر راہ قسم کی۔ مولینا تقریر سے فارغ ہو کر سٹیج سے اترنے لگے تو اباجی قاضی احسان احمد کو اور مجھے لے کر آگے بڑھے مصافحہ و معانقہ ہوا تو میرا تعارف کرایا کہ حضرت یہ میرا لڑکا ہے۔ دعا دی اور اس "عجب تصادمی ملاقات" پر چلتے چلتے ایک فقرہ اباجی سے کہہ گئے کہ "میرے بھائی آخر آپ یہاں ہی ملے (قیامگاہ پر نہ پہنچنے کا افسوس یوں ظاہر کیا اور کار میں روانہ ہو گئے۔) دوسری دفعہ ۱۹۴۵ء میں جب مولینا کشمیر میں تشریف لے گئے اور اتفاقاً ہم لوگ بھی وہیں تھے۔ نیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ سوپور میں شرکت سے پہلے مولینا گلمرگ سے سری نگر آئے وہاں جلوس اور جلسہ کا پروگرام تھا۔ شہر میں جانے والی سڑک کے بائیں طرف دریا کے کنارے سے جلوس مرتب ہوا۔ نیشنل کانفرنس کے والنٹیر۔ سکولوں کے سکاؤٹ اور مزدور اپنی اپنی وردیوں میں۔ موٹر کشتیوں اور بجروں کے ذریعہ آگے آگے روانہ ہوئے مولینا خان بادشاہ اور چند ایک کانگرسی اور نیشنل کانفرنسی لیڈر درمیان میں چلنے والی کشتیوں میں سوار ہوئے اور پھر مقامی نیشنل کانفرنس کے عام ممبر اور ورکر۔ ان سے بعد علی الترتیب روانہ ہوئے۔ بیحد ہجوم و ازدحام تھا۔ ادھر یاران طریقت نے سکیم مرتب کرلی۔ چنانچہ زینہ کدل" پل کے دونوں کناروں پر مشتعل

آوارہ مزاج نوجوانوں کی ٹولیاں ایک مضبوط رسہ دونوں جانب تھامے اور پانی میں گرائے کھڑی تھیں۔ کہ جیسے ہی مولینا والی کشتی گزرے رسہ کھینچ کر کشتی الٹ دی جائے اور اپنی بلند بختی کا سفینہ ابھار لیا جائے۔ لیکن شومئی تدبیر کہ پل کے بائیں کنارے ایک بوڑھا بیٹھا تھا قادر جُو جو اس مشاورت کا بھیدی ہو گیا تھا اس نے عین وقت سے چند منٹ قبل نیشنل کانفرنس کے ارکان کو اس سازش کی اطلاع دے دی۔ جب سازشیوں کو خبر ہوئی وہ آدھمکے اور اس بوڑھے کو مسجد کی دیوار سے دریا کی طرف دھکا دے کر گرا گئے۔ اس پر خشت باری بھی کی گئی۔ وہ غریب سخت زخمی ہوا اور غالباً زخموں کی تاب نہ لا کر ہسپتال میں اس نے جان دے دی۔ اس اطلاع سے تمام کارکن ہوشیار ہو گئے اور تمام پلوں کی نگرانی کرتے ہوئے موقع فساد سے بھی گزر گئے۔ ان بدبختوں کی وہ حرکت تو کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کے بدلہ میں جس قسم کی بیسیائی و بے غیرتی کا ثبوت انہوں نے بہم پہنچایا۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ سینکڑوں نوجوان عین کشتی کے روبرو ننگا ناچ کرنے اور پتھراؤ کرنے میں مصروف تھے۔ بیشمار زن و مرد اور بچوں نے اس انسانیت سوز تماشائے بے حجابی کو دیکھا۔ کشتی سکون سے گزر رہی تھی۔ اور کناروں پر کہرام برپا تھا۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں لائی جا سکتی۔ افسوس کہ اختلاف نظر رکھنے والوں نے کفار اور مشرکین کے کیریکٹر سے بھی زیادہ بدترین اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ وہ خیر الامم کہلاتے ہیں۔ اور ان کرتوتوں پر بھی انہیں ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ ان کا اصرار و اعراض دہ چند بڑھ گیا ہے۔ ان کی اخلاق باختگی اور فکری بے مائیگی اور عملی تسفل اس حد تک تجاوز کر گیا ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے وقت کی بڑی سے بڑی مصلحانہ صدائے اور مجددانہ پکار بھی ان سرشاران خواب غفلت کو نہیں جھنجھوڑ سکتی۔ اور کوئی دعوت حق و نداء اخلاص ان کے نہاں خانہ دل میں اتر نہیں سکتی۔

افلایتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها؟

یہ اعمال کی سفلہ پنی اور اخلاق کی رذالت، نظر کی کجی اور روش کی ضلالت بصارت کے نقصان کا اثر نہیں بصیرت کے ضیاع کی آئینہ دار ہے۔ آنکھیں نہیں دل اندھے ہو چکے ہیں۔

فیاللمسلمین ودینهم۔ فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

بالآخر جلوس امیراکدل سے ورے ہی ختم ہو گیا۔ اور تمام زعماء و شرکاء ہنگامہ بھی اپنی اپنی قیام گاہ کو لوٹ گئے۔ بعد ازاں تحقیق سے معلوم ہوا کہ سرینگر اور شوپیاں کلاں کے مرزائی اور مسلم کانفرنس کے چند متعصب ناعاقبت اندیش افراد اپنی کمینگی اور سفلہ پن کے زیر اثر اس سازش کے مرتکب ہوئے۔ رات کو حضوری باغ میں جلسہ تھا۔ سرشام ہی قریباً قریباً ۵۰ ہزار انسانوں کا عظیم اجتماع ہو گیا۔ اور اختتام جلسہ تک لوگوں کی آمد جاری رہی۔ مولینا نے حالات حاضرہ پر کچھ تبصرہ فرمایا۔ اور اہل کشمیر کو نیشنل کانفرنس میں شمولیت اور تحریک آزادی کشمیر کو کامیاب کرنے کا مشورہ دیا۔ جلوس سے قبل مرزا افضل بیگ وزیر کی کوٹھی پر دعوت چائے کا انتظام تھا۔ کچھ دیر کے بعد مولینا کار کے ذریعہ پہنچے۔ اترتے ہی مولوی محمد سعید شاہ نے جو ان دنوں ہمارے ساتھ ہی امرتسر سے کشمیر آئے تھے۔ میرا تعارف کرایا۔ میں مناسب خیال نہیں کرتا تھا۔ لیکن مولوی صاحب سے نہ رہا گیا۔ جب چائے کے کمرہ میں پہنچے تو مولینا متلفت ہوئے اور فرمایا۔ ہاں تو میرے بھائی شاہ صاحب کا کیا حال ہے۔ اباجی کا سلام عرض کیا

تو فرمایا۔ ان سے میرا بھی سلام کہنا اور کہنا کہ ملنے کو جی چاہتا ہے۔ ایک مدت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں یہاں صحت کی تلاش میں آیا ہوں۔ اس لئے ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہے۔ لیکن ان سے ضرور ملوں گا۔" مولوی محمد سعید جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس نے یہ خیال کر کے کہ شاید مولانا سے پہلے میرا تعارف نہیں ہوا۔ مولانا سے کہا "حضرت یہ شاہ صاحب کا لڑکا ہے؟ تو فوراً بولے۔" ہاں میرے بھائی میں تو انہیں دیکھتے ہی فوراً پہچان گیا تھا۔ انکا تو چہرہ بول رہا ہے کہ یہ شاہ صاحب کے لڑکے ہیں۔" چائے کا دور ختم ہوا اور ہم جلوس دیکھنے کے لئے سوئے دریا روانہ ہوئے اور اسکی مختصر داستان پہلے آ چکی ہے مولانا ان دنوں بے حد مغموم اور کمزور تھے۔ اہلیہ کی مفارقت، جیل کی تکالیف، علالت یہ تمام چیزیں ان کی صحت پر گہرا اثر رکھتی ہیں۔ انکا ۴۰ والا دمکتا ہوا گورا گلابی چہرہ مرجھا چکا تھا۔ حتیٰ کہ گردن کا ماس ڈھلک آیا تھا اور چہرے پر جھریاں پڑ چکی تھیں اور رنگ سانولا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ روز مولانا وہیں رہے۔ مجھے تعلیم کے لئے جالندھر پہنچنا تھا۔ اس لئے وہاں سے چلا آیا۔ اور اس تاثر کے ساتھ کہ مولانا جیسا صاحبِ عزیمت، پیکرِ استقلال، مجسمۂ علم و فضل، اہل فکر و تدبر انسان مدت تک پیدا ہونا مشکل ہے اور ان کا وجود روایاتِ سلف کی ایک زندہ مثال ہے اور ہماری قومی عظمت کا قابل فخر سرمایہ۔

ذو ہمۃٍ کیوانُ دُونَ مکانہٖ
وَ برایہِ النجمُ المنیرُ تحیراً
وَ تَزول مِن انوارہ حُجَبُ الدّجیٰ
وَ تسرّ مِن جَدواہ اَفئدۃُ الوَرٰی

خدا ان کو سلامت رکھے اور ان کی قیادت میں ہندوستان کا مسلمان آزادی کی حقیقی نعمتوں اور مسرتوں سے مالامال ہو اور ان کے فیوضِ عالیہ سے تشنگانِ معرفت و تحقیق سیراب ہوتے رہیں۔ آمین۔

مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار ربوہ

دارالکفر والارتداد ربوہ میں مسلمانوں کا عظیم تعلیمی و تبلیغی مرکز

ڈیڑھ سو سے زائد طلباء و طالبات قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بخاری پبلک سکول میں پرائمری تک طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ پچاس سے زائد طلباء رہائش پذیر ہیں۔ مدرسہ کی توسیع کے لئے مزید دو کنال زمین کی خرید اشد ضروری ہے۔ درسگاہوں اور مسجد اور مسجد کی تعمیر تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اپنے عطیات، زکواۃ و صدقات اس کارِ خیر میں دے کر اجر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر کے لئے:۔

سید عطاء المھیمن بخاری، منتظم مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار ربوہ ضلع جھنگ۔ فون: (04524)211523